R. No. 2186/57

REGD. NO. L. 922

انجمن ترقی اردو (ہند) کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

فون نمبر ۲۹
سالانہ قیمت ۵ روپے
فی کاپی ۱۰ پیسے

تاریخ اشاعت
۱-۸-۱۵-۲۲

جلد ۲۸، شمارہ ۱۵ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۱۵ اپریل ۱۹۶۹ء

اداریہ

ہم کدھر جا رہے ہیں؟

(۲)

پچھلے شمارے میں ہم نے ملک کے موجودہ حالات سے سخت بے اطمینانی کا اظہار کیا تھا اور اس پر زور دیا تھا کہ ہم میں سے ہر ایک کو اپنے فرائض کا پورا احساس ہونا چاہیے صرف حقوق کے لئے مطالبہ کرنا کافی نہیں ہے۔ حال ہی میں ہمیں حیدرآباد جانے کا اتفاق ہوا، جہاں اس وقت تلنگانہ کے علاقے کو آندھرا سے الگ کرانے کے لئے ایک عوامی تحریک چل رہی ہے۔ یہ تحریک بہت معنی خیز ہے۔ کسی ممتاز سیاسی پارٹی نے ابھی تک اس کی کھلم کھلا تائید نہیں کی ہے، مگر یہ احساس عام ہے کہ تلنگانہ کے علاقے کے ساتھ انصاف نہیں ہوا خصوصاً چھوٹی ملازمتوں میں گو داوری کے پانی کے معاملے میں، علاقے کی بچت کے خرچ کرنے میں، چھوٹے ملازموں کے لئے مکان بنانے میں اور ایسے ہی بہت سے معاملات میں آندھرا کے لوگوں نے تلنگانہ کے علاقے کے لوگوں کے حقوق کو بڑی حد تک نظر انداز کیا ہے۔ اب نوبت یہ آگئی ہے کہ طلبہ اس تحریک میں پیش پیش ہیں وہی توڑ پھوڑ کرتے ہیں، وہی پتھر برساتے ہیں، وہی پولیس کی گولی اور لاٹھی کھا رہے ہیں۔ دیکھئے اس معاملے کا کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ وہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ حکومت ہند کو تلنگانہ کے ساتھ زیادتی کا احساس ہے، مگر تلنگانہ علیحدہ ہوا تو ودربھ اور پھر سوراشٹر کو بھی علیحدہ کرنا پڑے گا۔ یہ خیال اس لئے دل میں آگیا کہ اول تو یہ ملک ہر جگہ بے چین ہے اور وہ یہ سمجھتی ہے کہ معقولیت سے اور خاموش احتجاج سے اور جلسوں اور قرار دادوں سے کچھ نہ ہوگا، بلکہ جب تک دباؤ نہ پڑے گا حکومت نہ جھکے گی اور ذرا دباؤ پڑا تو فوراً جھک جائے گی۔ اگر یہ خیال صحیح ہے تو یہ حکومت اور عوام کے لئے کوئی اچھی بات نہیں۔ نوجوانوں کی برہمی جا ہے کتنی ہی بڑھی ہوئی ہو اس کے پیچھے کچھ سیاسی و سماجی اسباب ہیں۔ ان کے بڑوں نے انھیں عام طور پر دھوکا دیا ہے۔ ملک کی آزادی کو اکیس سال ہوگئے آزادی کی وجہ سے لوگوں کی توقعات قدرتی طور پر بڑھیں، مگر وہ کتنی پوری ہوئی ہیں۔ ملک کی آمدنی بڑھی۔ اس سے سب سے زیادہ فائدہ کس نے اٹھایا۔ تعلیم بڑھی تو بے روزگاری بھی بڑھی۔ غلے کی پیداوار بڑھی مگر قیمتیں کم نہیں ہوئیں۔ ٹیکس بھی بڑھ گیا ہے۔ ریلوں میں سڑکوں پر، شہروں میں۔ گلی کوچوں میں ہجوم بڑھ گیا ہے۔ قانون سب کے لئے یکساں نہیں۔ کچھ لوگ بڑے مزے میں ہیں۔ ان کے پاس روپے کی ریل پیل ہے۔ زیادہ تر لوگ بڑی مشکل سے زندگی کے دن گزارتے ہیں۔ ان سب باتوں سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تبدیلی کی خواہش حالات کو بہتر بنانے کی خواہش قدرتی ہے۔ یہ تبدیلی لازمی ہے۔ اس کی رفتار کو روکا نہیں جا سکتا۔ جو لوگ ہر قسم کی تبدیلی کے خلاف ہیں اور تیس چالیس برس پہلے کے زمانے کو یاد کرتے ہیں اور اس کے مطابق زندگی گزارنا چاہتے ہیں، وہ احمقوں کی جنت میں بستے ہیں۔ اس لئے ہمیں سب سے پہلے اس تبدیلی کی ضرورت کو محسوس کرنا ہوگا۔ پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ اگر وہ تبدیلی جو آج ضروری ہے کل پر اٹھا رکھی گئی تو پھر اس سے زیادہ شدید تبدیلی ہوگی جس میں وہ بھی ختم ہو جائے گا جو آج باقی رکھا جا سکتا تھا۔ تیسری بات یہ ہے کہ قومی خدمت کے دعوے اور ذاتی مفاد کا فریب اب نہیں چل سکتا۔ چوتھی بات یہ ہے کہ جمہوریت ایک دو دھاری تلوار ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے اصولوں پر چلنے میں سب کے نفع نقصان میں شریک ہونا پڑتا ہے اور افسر اور ماتحت سب کو ذمہ داریاں قبول کرنی پڑتی ہیں۔ پانچویں بات یہ ہے کہ عام تعلیم کے علاوہ فنی پیشوں کی تعلیم

ہے اس کا براہ راست تعلق روزگار سے ہونا چاہیے۔ ہر نوجوان جسے کسی پیشے یا صنعت کی تعلیم ملتی ہے اسے روزگار بھی ملنا چاہیے۔ چھٹی بات یہ ہے کہ فرقہ واریت، ذات پات، علاقائیت، لسانی یا سرداری جیسی لعنتیں اس وقت ختم ہو سکتی ہیں جب ہر سطح پر اور ہر وہ بے ایمانی کا خاتمہ ہو۔ دوسرے کو نصیحت کرنا اور خود اپنے عمل سے کچھ اور کرنا، یہ مرض دور ہونا چاہیے۔ آخری بات یہ ہے کہ سوشلزم کی منزل کے ساتھ بڑے سرمایہ داروں کو پوری چھوٹ دینا کسی طرح جائز نہیں اور پبلک سیکٹر کو سفید ہاتھی کی طرح رکھنا خطرناک ہے۔ ہندوستان کی سیاست بڑی حد تک اقتدار حاصل کرنے کی سیاست ہے، خدمت کی سیاست نہیں ہے پھر ہندوستان ایک وفاقی ریاست ہے۔ وفاقی ریاست کے معنی یہ ہیں کہ ریاستوں کو اندرونی معاملات میں اور زیادہ اختیار دینا پڑے گا اور مرکز میں ایک پارٹی کی اور ریاستوں میں دوسری پارٹیوں کی حکومتیں ایک دوسرے سے تعاون کر سکتی ہیں ہاں ملک کی سالمیت اور اس کی وحدت پر سب کو اصرار کرنا ہوگا۔ وحدت کو مان کر چلے تو اس وحدت میں کثرت کا اصول بھی ماننا پڑے گا اور اس طرح ایک بڑے ملک کی یکجہتی اور اس کے ساتھ اس کی رنگا رنگ تہذیب کو ملحوظ رکھنا اور اسے ترقی دینا آسان ہوگا گویا ہمیں ہم سب کے لئے اور سب ہمارے لئے کا سبق سیکھنا ہے۔

فراق اب مشاعروں میں شریک نہیں ہوا کریں گے

کانپور۔ یہاں حلیم مسلم کالج میں جشن غالب کے سلسلہ میں منعقدہ مشاعرہ میں فراق گورکھپوری نے آخری بار شرکت کی اور اب وہ مشاعروں میں شریک نہیں ہوا کریں گے۔ گذشتہ ۵۰ سال سے اردو شعر و ادب کی خدمت میں مصروف ۷۳ سالہ بوڑھے اور دور حاضر کے عظیم شاعر جناب رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری نے خود ہی یہ اعلان کیا۔ انھوں نے کہا کہ پیرانہ سالی ضعف نقاہت اور خرابی صحت کی بنا پر اب میں اس قابل نہیں رہ گیا کہ مشاعروں میں شرکت کیا کروں، میری صحت اس قدر گر چکی ہے کہ نہیں کہہ سکتا کہ کب چل دوں بس میرا یہ آخری مشاعرہ ہے اس کے بعد اب مشاعروں میں شریک نہیں ہوا کروں گا۔ فراق صاحب کے اس اعلان سے لوگ بہت متاثر ہوئے اس موقع پر آپ نے اپنی بعض پرانی غزلوں سے متفرق اشعار سنائے۔ (ریاست)

جناب برہم ناتھ دت کو اعزاز

نئی دہلی:۔ صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین خاں نے جن لوگوں کو قومی ایوارڈ عطا کئے ہیں ان میں پنجاب کے مشہور ادیب اور ناول نگار جناب برہم ناتھ دت بھی شامل ہیں، انھیں پدم شری کے اعزاز سے نوازا گیا ہے موصوف کی عمر اس وقت ۶۶ برس کی ہے اور تقریباً ایک درجن کتابوں کے مصنف ہیں ان میں سے کئی کتابوں پر پنجاب گورنمنٹ سے ایوارڈ بھی حاصل کر چکے ہیں۔ آپ کے "ڈال ڈال پات پات" مکتوبات کا مجموعہ اور "میرا بھائی" ناول خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان دونوں پر ایک ایک ہزار روپیہ ایوارڈ مل چکا ہے۔ (الجمعیۃ)

غالب انعامی مقابلہ

ہوڑہ، تین مہینے قبل ادارہ فروغ اردو "شب پور، ہوڑہ" نے جشن غالب کے سلسلے میں ایک غالب انعامی مقابلے کا اعلان کیا تھا جس میں اسکول اور کالج کے طلبہ سے "مرزا غالب کے کلام میں ان کی زندگی کا عکس" کے زیر عنوان مضمون لکھنے کی فرمائش کی گئی تھی۔ اس مقابلہ میں جامعہ ملیہ کے ایک طالب علم سلیمان صاحب کو انعام دیا گیا ہے اور انھیں دو سال کے لئے "ماہنامہ شاعر بمبئی" بطور خصوصی انعام جاری کیا گیا۔ (ایم۔ اے۔ قاسم)

عالموں کو اعزاز

نئی دہلی:۔ صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین نے قدر شناسی کی ایک تقریب میں جو "راشٹرپتی بھون" میں منعقد ہوئی تھی سنسکرت عربی اور فارسی علوم کے پانچ علماء کو اسناد دی ہیں۔ پریس ٹرسٹ آف انڈیا نے بتایا ہے کہ عالموں کو سند اور پوشاک پیش کرنے کے لئے منعقد ہونے والی رسم میں جناب کاشی ناتھ واسودیو ابھیا جناب سری جیوا اعتبا چاریہ پنپلے تیرتھ اور جناب بلدیو اپادھیائے کو ان کے علمی مرتبہ کے لئے اسناد و پوشاکیں دی گئیں۔ دیگر تین حضرات بھی اس زمرہ میں شامل ہیں لیکن وہ اس موقع پر موجود نہ تھے عربی کے لئے شیخ عتیق الرحمٰن عثمانی کو اور فارسی کے لئے سید مسعود حسن رضوی کو اعزاز دیا گیا۔

عابد مناوری کو "شمیم گل" پر انعام

جموں:۔ ادبی حلقوں میں جان کر خوشی ہوگی کہ جموں و کشمیر کی اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لنگویجز نے ریاست کے جواں سال و خوش فکر شاعر عابد مناوری کو ان کے دوسرے مجموعہ کلام "شمیم گل" پر ۶۹-۱۹۶۸ء کا پہلا گرانقدر انعام مبلغ ایک ہزار روپیہ عطا فرمایا ہے۔ اس سے قبل عابد صاحب اپنے پہلے شعری مجموعے "بہار غزل" پر بھی ۶۵-۱۹۶۴ء کا دوسرا انعام حاصل کر چکے ہیں۔ (نامہ نگار)

"ہماری زبان"
کو مضامین و مراسلات ارسال کرتے وقت یہ ملحوظ رکھیں
کہ وہ ایک طرف لکھے ہوں۔ (ادارہ)

ذکاء الدین شایاں

"کلیاتِ جلال"

"کلیات جلال" کے مصنف جلال الدین جلال کی تفصیلی سوانح اور زندگی کے سلسلے میں کچھ زیادہ معلوم نہیں ہو سکا۔ تاج الدین تاج (مصنف کے چھوٹے فرزند) نے جب اپنے اہتمام سے کلیات جلال آخری مرتبہ (بار سوم) شاہی پریس لکھنؤ سے ۱۹۴۴ء میں شائع کرائی (گذشتہ مضمون میں اپنی یادداشت سے میں نے ۱۹۴۴ء لکھ دیا تھا اور بدایوں کے کسی پریس کا حوالہ دے دیا تھا۔ جب مجھے اصل کتاب دیکھنے کا موقع ملا تو حقیقت کا علم ہوا) تو اس میں دیباچے کے طور پر "التماس" کے عنوان سے کچھ ایسی باتیں ضرور شامل کر دی ہیں جن سے جلال کی تاریخ پیدائش، تاریخ وفات اور سکونت وغیرہ کے ساتھ ان کی کلیات پر تھوڑی سی روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً

"مولانا محمد جلال الدین جلال ۱۲۳۹ھ میں بمقام بہادر گنج، تحصیل و ضلع پیلی بھیت یوپی تولد ہوئے (یہیں جلال کی مستقل سکونت موضع ڈھکیا ہی میں رہی تھی) آپ نے ۲۶ ربیع الاول ۱۳۲۲ ہجری مطابق سال ۱۹۰۴ء بعمر ۸۳ برس اس عالم فانی سے طرف عالم جاودانی رحلت کی۔ آپ کا مرقد بمقام موضع ڈھکیا ہیش، دوکبد قبرستان واقع ہے۔"

تاج الدین تاج کے قلم کا تحریر کردہ "کلیات جلال" کے دیباچے کا یہ اقتباس بھی قابل غور ہے۔

"کلیات جلال" مولانا جلال الدین جلال کی تصنیف اردو زبان شستہ عام فہم، سادہ بول چال دل پسند کلام نے خاص و عام کے دل میں ایسی ہر دلعزیزی پیدا کی تھی کہ ہر پیر و مرد اس کتاب کا خواہشمند ہو گیا جس کے سبب سے نسخہ کتاب کم یاب ہو گئے مصنف مرحوم کی زندگی ہی میں دو مرتبہ ۱۹۰۴ء تک اس رسالہ کلام نے مطبع مفید عام آگرہ میں شائع ہو کر شائقین کے دلوں کو مسرور اور مسرت اندوز بنایا۔ آج چالیس سال کا زمانہ گذر جانے کے بعد اس ناچیز راقم الحروف (تاج الدین تاج) کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اپنے باپ کی قدیم یادگار کو بطور یاد پھر تازہ کر دوں۔"

"کلیاتِ جلال" کے مطالعے کے دوران مجھے جلال کے اس شعر نے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کیا ؎

شاعری تو داغ اور غالب میں ہے
میں لکھوں گا جو مرے قالب میں ہے

کلیات کی زبان، انداز بیان نیز نظموں کے موضوعات اور آج سے تقریباً ایک صدی پہلے کی (شہر پیلی بھیت اور اس کے نواح کی) عوامی بولی اور محاوروں کی دنیا جب میرے سامنے آئی تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ عہد محمد شاہی (میر اور ان کے معاصرین کے زمانے سے) سے غالب اور داغ کے عہد امیر میں صدی کے اختتام تک پیلی بھیت (جو اس وقت روہیل کھنڈ کا ایک خاص شہر تھا اور حافظ رحمت خاں روہیلا کے توسل سے دہلی سے کسی نہ کسی طرح منسلک تھا) اور دہلی کے درمیان سماجی اور سیاسی اشتراک کے ساتھ کوئی نہ کوئی ادبی تعلق ضرور رہا ہے۔ میر کی کلیات میں پیلی بھیت سے متعلق ایک شعر ملتا ہے جو توجہ طلب ہے ؎

شفق سے ہیں در و دیوار زرد شام و سحر
ہوا ہے لکھنؤ اس رہگذر میں پیلی بھیت

(دیوان میر سوم، ردیف "ت" کی دوسری غزل کا ساتواں شعر ردیف بھیت، دیت وغیرہ)

اسرار اکبر آبادی

نذرِ غالب

(غالب صدی کی تقریبات کے موقع پر)

آج رقصاں ہے ہر اک پھول میں رنگوں کی شراب
اور جھیلوں میں تری یاد کے کھلتے ہیں کنول
ہر طرف جھومتی پھرتی ہے محبت کی کرن
محفل حسن میں گاتی ہے غزل تیری غزل

گرم جذبات میں ڈوبے ہوئے فن پاروں پر
اپنے ماحول کی تصویر اتاری تو نے
آنکھ کے سامنے اس دور کے خاکے ابھرے
شاعری اپنے تصور سے نکھاری تو نے

جدت شوخیٔ افکار کا وہ زور شباب
جس نے جنت کی حقیقت کو بھی دھوکا سمجھا
پھول تو پھول ہیں آرائش گلشن کے لئے
جس نے ہر خار کو آکاش کا تارا سمجھا

تو نے اے شوخ خیالوں کے اجالوں کی بہار
ایک ٹھہرے ہوئے دریا کو روانی بخشی
جھوم کے وادیٔ اردو پہ جھکی مست گھٹا
تو نے اشعار کی کلیوں کو جوانی بخشی

ہر طرف بارش افکار سے غنچے چٹکے
اہل گلشن کو ملا عشق و محبت کا پیام
تیرے کردار سے الفت کے ترانے گونجے
شاعر عشق تجھے میری محبت کا سلام

پیلی بھیت کی تاریخ میں پیلی بھیت کے نام کی وجہ تسمیہ ایک یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ اس شہر کے چاروں طرف شہر پناہ کی حیثیت سے یہاں کے مقامی باشندوں (پیر یا بنجاروں) نے پیلے رنگ کی ایک مٹی کی دیوار بنائی تھی۔ بھیت "ہندی میں دیوار کو کہتے ہیں۔ چنانچہ میر کے متذکرہ بالا شعر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب انھوں نے دہلی چھوڑ کر "پورب" کی طرف سفر کیا (میر کی مثنویات میں ان کے عہد نامے اس کے مظہر ہیں) تو لکھنؤ کے ساتھ ساتھ پیلی بھیت کا تصور بھی ان کے ذہن میں تھا اور اس وقت دہلی، لکھنؤ اور پیلی بھیت کے درمیان کسی نہ کسی قسم کا تعلق ضرور رہا ہوگا۔

جان صاحب کے دیوان ریختی میں بھی ایک شعر ہے جس میں پیلی بھیت کا ذکر موجود ہے (میرے ذہن میں اس کا صرف ایک مصرعہ محفوظ ہے)

"جنگل ہے پیلی بھیت کا، بیلو بجائیے"

(پیلی بھیت کا علاقہ جنگلوں اور شکارگاہ کی وجہ سے مشہور ہے)

جلال الدین جلالؔ اور داغؔ کا عہد بہ اعتبار عمر تقریباً برابر ہے۔ جلالؔ کا انتقال ۱۹۰۰ء میں ہوا اور داغؔ کا ۱۹۰۵ء میں غالبؔ ان سے بیس سال پیشتر اپنا دور پورا کر چکے تھے۔ کلیات جلالؔ کے تفصیلی مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں داغؔ کے اثرات پیلی بھیت اور اس کے نواح کی شاعری تک میں داخل ہو چکے تھے۔ جلالؔ کے لب و لہجہ میں اس کے نشانات تلاش کئے جا سکتے ہیں لیکن اس کے باوجود سب سے دلچسپ اور قابل غور بات یہ ہے کہ جلالؔ کے یہاں ان کے عہد سے بہت پہلے نواح دہلی کے شاعروں جیسے میرؔ، میر حسنؔ، نظیرؔ وغیرہ کی زبان کا انداز بھی بڑی شد و مد کے ساتھ ملتا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے جلالؔ کی نظموں کا تجزیہ ضروری ہے۔

جلالؔ کی نظموں کا بنیادی عنصر معاشرے کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی اور معاشی برائیوں پر شدید طنز ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جلالؔ اپنے سامنے کی چلتی پھرتی زندگی، مذہب کی ظاہرداری، رسم و رواج کی بے جا پیروی، امارت کی نمود اور تصنع وغیرہ سے سخت نالاں تھے وہ جب بھی ان کو اپنی شاعری کا موضوع بناتے، ان کے قلم کی زبان طنز کے نشتروں سے قریب ہو جاتی۔ یوں تو وہ معاشرے کے عام رسوم (جو جہالت اور کم علمی کی بنیادوں پر قائم ہوتے تھے) کا خاکہ اڑاتے تھے لیکن سب سے زیادہ وہ عورتوں کی رسموں کے خلاف تھے۔ مذہب اور رسموں کے نام پر عورتوں کے حلقوں میں جو خرابیاں پیدا ہوتی جا رہی تھیں، اور ان کے نتیجے میں مردوں کا جو معاشرہ غلط راہ اختیار کرتا جا رہا تھا اس پر جلالؔ نے ہمیشہ طنز کیا ہے۔ اگر شعر و ادب میں "مقصدیت" کو سامنے رکھ کر اور اس کی گنجائش نکال کر کچھ دیر سوچا جائے تو ماننا پڑے گا کہ جلالؔ نے اپنی شاعری سے بہت کام لیا۔

کلیات کی پہلی نظم بہ عنوان "ہندوستانی بیاہ" مثنوی کی شکل میں ہے اس نظم میں شادی سے پیشتر یا شادی کے وقت کی ان بے جا رسوم کی مذمت کی گئی ہے جن میں محض اپنی امارت کا مظاہرہ کرنے کی خاطر بے دریغ روپیہ خرچ کیا جاتا ہے اور جس کے نتیجے میں انسان مقروض ہو جاتا ہے۔ نظم میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح گھر کی عورتیں مردوں کو شادی کے زیورات بنوانے، رقص و دعوت کا اہتمام کرنے اور آتش بازی وغیرہ کے سلسلے میں مجبور کرتی ہیں اور مرد ان فروعات پر پانی کی طرح روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ مثلاً

بولیں سب مل کے سنئے ہو صاحب　　　کیسے نادان بنتے ہو صاحب
بیاہ بیٹے کا کچھ نہیں آساں　　　شرم رہ جائے وہ کرو ساماں
پہلے زیور ضرور ہوتا ہے　　　چار کے وہ حضور ہوتا ہے

پھر عورتیں زیور کی تفصیلات لکھواتی ہیں ؎

خرچ کر دو کمائی کچھ دن کی　　　نتھنی لکھو پچاس پچیس کی
جھومر ہو چار سو کا سر کے لئے　　　سر کی زینت ہے ہر بشر کے لئے
بالے کانوں کے لکھو ستر کے　　　بجلی پتے لکھو بہتر کے
گلبدن کے بھی لکھو سو لہ تھان　　　سوچتے کیا ہو اب تو لکھو دکان

اسی کے ساتھ شادی کے دیگر لوازم کا ذکر اس طرح ہے ؎

ٹوٹا پھوٹا مکان بنواؤ　　　جھاڑ فانوس اس میں لٹکواؤ
رنڈیاں آگرے کی سائی دو　　　ان کو جوڑی ہوتی کمائی دو
آتش بازوں سے کہہ دو جا کر　　　وہ بھی دولت میں آگ دے جا کر

غرض شادی کے اس اہتمام کے بعد شادی والے کا دیوالہ نکل جاتا ہے اور وہ مقروض ہو کر ذلیل ہوتا ہے ؎

سود بقال کا جو تھا گیا سب ادا　　　کڑوی باتیں سنیں نہ اس نے دم مارا
تھوڑے دن میں وہ ہو گیا نیلام　　　ایسی شادی کا یہ ہوا انجام

لڑکی والے اپنی لڑکی کی شادی کے سلسلے میں اپنے نام و نمود کی خاطر کیا کیا طریقے اختیار کرتے ہیں، اس پر روشنی ڈالی ہے ؎

بیٹے صاحب تو اس پہ مرتے ہیں　　　بیاہ لڑکی کا جب وہ کرتے ہیں
پھرتے ہیں گھر بہ گھر گدائی کو　　　تھکتے پھرتے ہیں سب خدائی کو
کہتے ہیں کار خیر میں دیجئے　　　ہاتھ میں کچھ نہیں ہے کیا کیجے
اس طرح سے نکاح کرتے ہیں　　　ناک کٹنے پہ ہم تو مرتے ہیں
واہ اسلام واہ بھائی جان　　　ہم تجھ پر تمہاری ہیں قربان
مہر باندھا بھی تو پچاس ہزار　　　یا تو راضی ہو یا کرو انکار
عرب میں شرع کر گذرتے ہیں　　　یہاں شریعت پہ عقد کرتے ہیں
اپنی توفیق پر کرو سب کام　　　کون تم کو کرے گا پھر بدنام

ایک نظم بہ شکل مثنوی "پہلی کہانی" ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح عورتیں مذہب کی آڑ لے کر اعراس اور دیوں کی زیارت کے بہانے سیر و تفریح کرتی ہیں، کس طرح ان کے جاہل شوہر حقیقت سے بے خبر اپنی بیویوں کو بڑے شوق کے ساتھ مزارات پر جانے کی اجازت دیدیتے ہیں اور کس طرح نوجوان عورتیں، جنبہ اور لبادہ پہنے رنگے سیار پیروں اور عیار درویشوں اور فقیروں کے ہاتھ بیعت کر کے تباہ ہوتی ہیں۔ مثلاً ؎

عورتیں اکثر ہیں ایسی بے حیا　　　ان کا دل پردے میں جب گھبرا گیا

تب تو کچھ حیلہ بہانے کے لئے
کوئی منت ہو منانے کے لئے
مان لی نذر اگر جو کچھ کھٹکا ہوا
تب تو کہتی ہے بھتیجی سے بوا
اب چلو چادر چڑھانے کے لئے
پیر کی زیارت بہانے کے لئے
ریل گاڑی بھی نہیں دیکھی بوا
بیل گاڑی میں چڑھے تو کیا ہوا
چھوٹی خالہ سے کہو وہ بھی چلے
ایسا موقع کب خدا جانے ملے

اے امیرن جا ابھی گھر سے نکل
کہہ دے بنّو سے کہ لی تو بھی چل
ایسے جلسوں میں نہیں تم جاؤ گی
پھر بوا دیدوں قسم پچھتاؤ گی

ان پیروں اور درویشوں کا ریاکاری کا نقشہ کھینچا ہے جو عورتوں کو اپنے جال میں پھانستے ہیں اس کے علاوہ ان عورتوں کی بھی تصویر کشی کی ہے جو بناؤ سنگھار کرکے اپنے پیروں کے قدم چومتی ہیں سہ

پھر زیارت آدمیں باباجی کے پاس
بیٹھے ہوں سنڈے مسنڈے جن کے پاس
آتے ہی اپنی سواری سے اتر
جیٹھ کا کھٹکا نہ کچھ دیور کا ڈر
ڈال لی سر پہ دولائی ناز سے
جسم چوری سے قدم انداز سے
آنکھ اک گھونگھٹ میں کی اک کھول دی
ڈالی جس سے نظر بے مول دی
کوئی برقعہ اپنے سر سے اوڑھ کر
پیر پکڑے پیر جی کے دوڑ کر
کس نزاکت سے کیا جھک کر سلام
ہاتھ کو پیروں کو چوما تھام تھام
کان میں زیور نے جب جھنکار دی
پیر جی نے اپنی بازی ہار دی
سرخ جوڑے نے دکھایا اپنا رنگ
پیر جی کا دل اڑا مثل پتنگ
دل کٹا جب پیچ ڈالا ڈور نے
لوٹ کا جیوں مال پایا چور نے

پھر کہاں قابو میں دل انسان کا
ناس ہو جاتا ہے سب ایمان کا
مانتا کب دل ہے متوالا کہیں
غیر عورت ماں نہیں خالا نہیں

جلالی اس ضمن میں ہندو بھگت اور فقیروں کا بھی ذکر کرتے ہیں اور ہندی الفاظ کی مدد سے فضا بناتے ہیں سہ

استری دے مسکرا کر دان کو
بھولے پنڈت جی سری بھگوان کو
جا ملا جب دل کسی دلدار سے
پھر تو مطلب تھرا سے کیا ہردوار سے
ہو گئے آپس میں جب دو دو کلام
کبھی بسم اللہ، کبھی رام رام

عورتیں اپنے پیروں کے پاس جاکر کیا منتیں کرتی ہیں اور اندھی عقیدت میں کس طرح ان بزرگوں سے پیش آتی ہیں حسب ذیل اشعار میں اس کی مصوری بڑے پر اثر انداز میں کی گئی ہے۔

کہتی ہیں ایسی دعا دو پیر جی
ہو مقابل میں مری تقدیر جی
دن جو آ جاویں مرے اچھے بھلے
تازہ تازہ کرکے لاؤں گلگلے
کوکلا مینا کی بولی بول کر
پیر کا بھیڑ کا دیا دل کھول کر
کچھ دکھانے دام میں لائی ہوں
فال تو دیکھو دکھانے آئی ہوں
میں نے اب پکڑے ہیں حضرت کے قدم
حشر کا کھٹکا نہ کچھ دنیا کا غم
صدقے جاؤں اپنے بابا پیر کے
جن میں جو ہر ہیں بھرے اکسیر کے
ہاتھ اپنے پیر کی گردن میں ڈال
لے لئے بوسے پکڑ داڑھی کے بال

آفتاب شمسی

غزل

جو آنسوؤں سے نہ کر کے وضو گئی ہوگی
نگاہِ یاس کہاں سرخرو گئی ہوگی

نہ جانے کیسے صبا نے گلوں سے پوچھ لیا
وہ راز لے کے جسے کو بکو گئی ہوگی

وہ چشم مست اٹھی ہوگی جب سرِ محفل
دلوں سے وقعتِ جام و سبو گئی ہوگی

ترے بغیر اتاری تو حلق سے لیکن
ہر ایک بوند پہ رنگِ لہو گئی ہوگی

دلِ تباہ! کہاں لے چلا ہے تو مجھ کو
بھلا بتوں سے تغافل کی خو گئی ہوگی

نکل کے سینۂ اہلِ فراق سے شمسی
شکستِ دل کی صدا چار سو گئی ہوگی

مضامین رشید

پروفیسر رشید احمد صدیقی

سائز: ۲۲×۱۸، صفحات: ۲۰۴، قیمت چھ روپے

پتہ

انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ

مراسلات

غالب اور بھوپال

پروفیسر عبدالقوی دسنوی نے غالب اور بھوپال کے سلسلہ میں کئی مضامین شائع کئے ہیں اب وہ ان کی کتاب بھوپال اور غالب میں یکجا ہو گئے ہیں۔ موصوف نے محمد عباس شروانی رفعت اور نواب یار محمد خاں شوکت سے غالب کے استادی اور شاگردی کے رشتہ کا ذکر کرتے ہوئے دونوں بزرگوں کی تصانیف سے حوالہ دے کر غالب کی بعض تصانیف کا ذکر کیا ہے جو میرے علم میں نہیں ہیں۔ یا تو ان دونوں حضرات کا تسامح ہے یا کتابوں اور نظموں کے دو دو نام ہیں، بہرحال عصری مواد ہونے کی وجہ سے قابل غور بات ہے۔ امید ہے کہ غالب شناس اس پر روشنی ڈالیں گے۔

عباس رفعت نے اپنی کتاب نوردیدہ میں جہاں معروف نام دئے ہیں وہاں ماہ نیم ماہ، گوہر افشاں، بساتین ایہ تو یقیناً سبد چین ہے، اور ان شیریں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ انھیں ناموں کو نواب یار محمد خاں شوکت نے بھی انشائے نور چشم میں دہرا دیا ہے۔ قوی صاحب نے کتابوں کے نام اور صفحات بھی دے دئے ہیں۔ اگر معصر مواد میں یہ نام نہ آئے ہوتے تو شاید زیادہ غور کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ ماہ نیم ماہ کو سہو کتابت کہا جا سکتا ہے لیکن اور ناموں کی توجیہہ کس طرح کی جا سکتی ہے؟

(سید احتشام حسین)

جلیاں والا باغ کے سلسلہ میں ایک غزل

یہ وہ غزل ہے جو ہنٹر کمیٹی کی رپورٹ کے بعد جلیاں والا باغ کے ایک جلسہ میں پڑھی گئی تھی۔ جلیاں والہ باغ برسی کے سلسلہ میں برائے اشاعت ارسال ہے۔

۱۔ جب تک ہر اہل ہند جری تھا غیور تھا
آنکھوں میں اپنی نور تھا دل میں سرور تھا

۲۔ اب تو ہے اپنے سوختیاں پر نظر مجھے
وہ دن گئے کہ لب پہ مرے "جی حضور" تھا

۳۔ قانون مارشل سے ہوا پارہ پارہ دل
آئینہ تھا کہ ٹھیس کے لگتے ہی چور تھا

۴۔ ڈائر کے بے پناہ ستم کی نہ پوچھئے
میدان قتل گاہ میں شور نشور تھا

۵۔ کیا خون اہل ہند کی قیمت نہ تھی کوئی
صد ہا کا کچھ قصاص تو آخر ضرور تھا

۶۔ ہنٹر سے ہوتی دادرسی کی امید خاک
انصاف منصفوں کی رسائی سے دور تھا

۷۔ حق کہہ کے اس زمانے میں جو دار پر چڑھا
منصور سے بھی بڑھ کے وہ مرد غیور تھا

۸۔ قاتم ملائے ہند کے جذبات خاک میں
ڈائر کو زور تیغ پہ کتنا غرور تھا

بہتوں کو اس بات کا پتا نہیں کہ ڈاکٹر اقبال بھی اس سانحہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور ان کے منہ سے بھی بے اختیار یہ شعر نکل آئے ؎

ہر زائر چمن سے یہ کہتی ہے خاک باغ
غافل نہ رہ جہاں میں گردوں کی چال سے
سینچا گیا ہے خون شہیداں سے اس کا تخم
تو آنسوؤں کا بخل نہ کر اس نہال سے

(مرسلہ بریم ناتھ دت)

غالب کی مقبولیت کیوں؟

"غالب کے یہاں شاعری ایک آشوب ہے۔ غالب اس لئے اپنے زمانہ میں اتنے مقبول نہ ہو سکے کہ اس وقت عام طور پر لوگ اتنی بیباک نگاہی کی تاب نہیں لا سکتے تھے" (پروفیسر آل احمد سرور)

دنیا کا شاید ہی کوئی ایسا گوشہ ہو جہاں کلام غالب کو قدر و منزلت کی نگاہ سے نہ دیکھا جاتا ہو اور اس کی عظمت کی پوجا نہ کی جا رہی ہو اس کے کلام کی خوبیوں کو نہ سراہا جا رہا ہو اور خوبی کلام کا چرچا نہ ہو رہا ہو۔ جدھر بھی دیکھئے غالب شریک غالب ہیں۔ ان کے سامنے تمام سر تعظیماً جھکے ہوئے ہیں۔ کون ایسا مہذب انسان ہے جو غالب کی عظمت سے واقف نہ ہو اور اس کے کلام سے یک گونہ لگاؤ نہ رکھتا ہو اور یہی وہ مقبولیت ہے جو غالب کی عظمت کا ایک مستند اور ٹھوس ثبوت ہے جس سے کوئی بھی ذی ہوش انسان منکر ہو ہی نہیں سکتا ہے۔

غالب بلاشبہ ایک عظیم شاعر تھے، ان کی پر عظمت شاعری کی سنہری اور روپہلی کرنیں اب بھی ہیں اسی بلکہ پہلے سے زیادہ شان اور آن بان کے ساتھ ضوفشاں کر رہی ہیں ان کی تابناک شاعری نے انھیں اپنے ہی زمانہ میں ملک گیر شہرت دے دی تھی اور خاص حلقوں میں وہ رتبہ عطا کر دیا تھا جو کسی عظیم اور قابل قدر شاعر ہی کو مشکل نصیب ہوتا ہے۔

شہر کلکتہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ غالب نے اپنی زندگی کے دو اہم سال یہاں گزارے اور وہ عرصہ بے شک کلکتہ کی ادبی دنیا کے لئے بہت ہی سنہرا اور قابل قدر تھا۔ غالب نے اپنی زندگی کا جو طویل ترین سفر کیا وہ کلکتہ کے لئے تھا۔ اس

ضمن میں یہ کہنا بے موقع نہ ہوگا کہ غالب نے اہل کلکتہ کو صرف متاثر ہی نہیں کیا بلکہ خود بھی متاثر ہوئے ورنہ وہ کبھی نہ کہتے کہ ؎

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں
اک تیر میرے سینہ پہ مارا کہ ہائے ہائے

بہرکیف ہمارا موضوع غالب اور کلکتہ کے درمیانی تعلق کے متعلق اظہار خیال کرنا نہیں بلکہ ہمیں کلام غالب کی ان خوبیوں کا جائزہ لینا ہے جو غالب کو عظیم بناتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مختصر پیرایہ میں یہ بھی دیکھنا ہے کہ ایک صدی بیت جانے کے بعد بھی غالب گمنامی سے پرے، اپنی شاعری کی کن خوبیوں کی بنا پر دور جدید کے شاعروں پر غالب نظر آ رہے ہیں؟ وہ کونسی جاذبیت ہے جس کے سہارے ان کی شاعری گردش زمانہ کی نظر ہو کر اپنی تابناکی نہیں کھو بیٹھی بلکہ اور جاذب نظر ہو گئی ہے؟ اس کی چاشنی اور چمک دمک دوبالا ہو گئی ہے؟ غالب کا مختصر دیوان کیوں اس قدر مقبول ہے؟ اس کا صحیح جواب ان سطور میں ملاحظہ فرمایئے جن میں عبدالرحمٰن بجنوری نے نہایت موثر اور بچے تلے انداز میں اپنے ٹھوس خیالات کو نہایت بہتر طور پر بیان کیا ہے۔

"وید مقدس تک شکل سے سو صفحے ہوں گے لیکن کیا ہے جو یہاں حاضر نہیں، کون سا نغمہ ہے جو اس زندگی کے تاروں میں بیدار یا خوابیدہ موجود نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیوان غالب میں ہر شخص اپنی تصویر دیکھتا ہے اور لطف اٹھاتا ہے اور یہی خوبی اس کی عظمت کی دلیل ہے"

زمانہ کی یہ عادت رہی ہے کہ وہ ہمیشہ ماضی کو بھول کر حال میں کھو جاتا ہے اور ماضی کے تابناک ستاروں کو اس طرح فراموش کر دیتا ہے کہ جیسے وہ دنیائے ادب کے افق پر کبھی جلوہ گر ہی نہ ہوئے تھے۔ زمانہ نے ہمیشہ چڑھتے سورج کی پوجا کی ہے۔ اس وقت تک کہ وہ پر روشن ستارہ، اس کی گردش کی چکی میں پس کر اپنی جاذبیت نہ کھو بیٹھے۔ لیکن غالب کے سلسلے میں یہ روایت غلط ثابت ہوئی ہے اور زمانہ نے زبردست منہ کی کھائی ہے۔ غالب ماضی سے زیادہ شان سے دور جدید میں براجمان ہیں۔ اس آن بان سے کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی ہیں اور اس کی نرالی شان کو دیکھ کر ہر کس و ناکس احساس کمتری میں مبتلا ہو کر بغیر کسی بحث اور حیل و حجت کے اس (غالب) کی برتری کو خودبخود تسلیم کر لیتا ہے۔ غالب کی عظمت کا راز اس میں پوشیدہ کہ اس نے دقیانوسی افکار و خیالات سے پرہیز کیا ہے اگر کہیں اپنایا بھی ہے تو اس بات کو ضرور ملحوظ رکھا ہے کہ پرانی چیزیں بھی اس طرح ابھر کر سامنے آئیں کہ نئی تاثیر اور جدت طرازی کے اثر لیے ہوں اور اپنے اندر اس طرح سمو لیں کہ وہ دو آتشہ بن کر دل پر ایک اثر پیدا کریں۔

دراصل غالب نے اس راز کو پا لیا تھا کہ وقتی تکالیف سے متاثر ہو کر تابناک مستقبل کو کھونا عقلمندی نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس نے دکھ اٹھائے، مصیبتیں سہیں مگر ایسا کوئی بھی کام نہیں کیا جو اس کی انانیت کو ٹھیس پہونچائے، اس کی آئندہ درخشاں مستقبل میں زہر گھول دے۔

غالب ایک مفکر تھا اور اس کی بلندی فکر نے اس راز کی تہہ کو چھو لیا تھا کہ رات کے بعد دن کا آنا لازم ہے۔ اس لئے یہ وقت جو غم آلود ہیں، ان میں رنجیدہ و ملول نہیں ہونا چاہئے بلکہ یہ خوش ہونے کا وقت ہے کیونکہ تکلیف کے لمحے کٹتے جا رہے ہیں اور ہر آنے والا لمحہ خوش کن لمحات کا پیغام دے رہا ہے، جو اس بات کا شاہد ہے کہ ابدی زندگی کی صبح نمودار ہونے لگی ہے اور یہی خیالات کے وہ تسلسل ہیں جو اسے مایوس نہیں ہونے دیتے بلکہ اس کو ڈھارس بندھاتے ہیں اور نتیجہ کے طور پر اس کی زندگی غم آلود ہونے کے باوجود اس کی شاعری پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ وہ رجائی گیت گاتا ہے اور اس کی شاعری غم سے دور ہنستی ہوئی نظر آتی ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ یہ صدی "غالب صدی" ہے کبھی اس کے متعلق سوچ رہے ہیں، لکھ رہے ہیں اور بحث و مباحثہ کر رہے ہیں۔ اگر ایک طرف غالب شناسوں میں خورشید ادب جیسی شخصیتیں وافر مقدار میں موجود ہیں تو دوسری طرف ایسے لوگوں کا بھی جم غفیر موجود ہے جن کا ادب میں کوئی مقام نہیں ہے بہتیرے ایسے بھی ہیں جو ادب شناس بھی نہیں ہیں۔ مگر ان کے دل میں بھی غالب کی وہی قدر ہے جو دوسروں کی نظروں میں ہے وہ بھی خود کو غالب سے اتنا ہی قریب سمجھتے ہیں جتنا کہ دوسرے الغرض سبھی اپنی بساط کے مطابق غالب کے متعلق رائے زنی کر رہے ہیں اور اپنے خیالات و تجربات کو تحریری و تقریری صورت میں اجاگر کر رہے ہیں اور جو لوگ ان دونوں خوبیوں سے بے بہرہ ہیں وہ آپسی بیٹھکوں میں اپنے خیالات کو زیادہ سے زیادہ موثر انداز میں نہایت فراخدلی کے ساتھ دلکش پیرایہ میں بیان کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکال رہے ہیں جو بے شک ان کے دلی جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں گویا سبھی غالب کے پرستار ہیں اور اس یک گونہ لگاؤ رکھتے ہیں۔

(ایم۔ اے۔ نظر)

نذر غالب

انجمن ترقی اردو (ہند) ماڈل ٹاؤن پٹیالہ کے زیر اہتمام "نذر غالب" کے عنوان سے ایک شعری مجموعہ شائع کیا جائے گا۔ اس مجموعہ میں غالب سے متعلق نظمیات اور ان کی زمینوں میں کہی گئی غزلیں اور تضمینیں شامل ہوں گی۔ شعرا حضرات سے التجا ہے کہ وہ اپنی تخلیقات ارسال فرما کر مجموعہ کی زینت بڑھائیں۔ (بہیش چند پٹیالوی)

جموں میں پروفیسر آل احمد سرور اور فراق صاحب کی آمد

جموں۔ مارچ ۱۹۶۹ء کے آخر میں شعبۂ اردو جموں و کشمیر یونیورسٹی جموں کی دعوت پر پروفیسر آل احمد سرور اور جناب رگھوپتی سہائے فراق توسیعی خطبات دینے کے لئے تشریف لائے۔ سرور صاحب نے ۲۴ر مارچ کو اردو کی نئی شاعری پر نہایت پر مغز اور فکر انگیز خطبہ دیا۔ آپ نے کہا اگر مصوری اور بت گری میں تجریدی آرٹ کو سراہا جاتا ہے تو شاعری میں مماثل رجحان پر کیوں اعتراض کیا جائے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ محض نئی شاعری ہی اچھی شاعری ہے۔ میرا صرف یہ مطالبہ ہے کہ مروجہ شاعری کے ساتھ ساتھ نئی شاعری کو بھی قبول کیا جائے۔ تقریر کے بعد فاضل مقرر نے دیر تک سوالوں کا جواب دیا۔ جلسے کی صدارت جموں و کشمیر ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مرتضیٰ فضل علی صاحب نے کی۔ سرور صاحب کے ۲۵ر مارچ کے خطبے کا موضوع تھا "غالب"۔ اس اجلاس کی صدارت الہ آباد ہائی کورٹ کے سابق چیف جسٹس نصر اللہ بیگ صاحب نے کی۔ سرور صاحب نے عام روش سے ہٹ کر غالب کی عظمت کے اسباب تلاش کئے۔ مقرر کے ولولہ انگیز خطبات نے سامعین کے دلوں کو گرما دیا۔ وائس چانسلر صاحب اتنے مسرور ہوئے کہ انہوں نے سرور صاحب سے درخواست کی کہ گرمیوں میں سری نگر آکر بھی دو خطبات دینے کی زحمت کریں۔ سرور صاحب نے یہ درخواست قبول کر لی۔

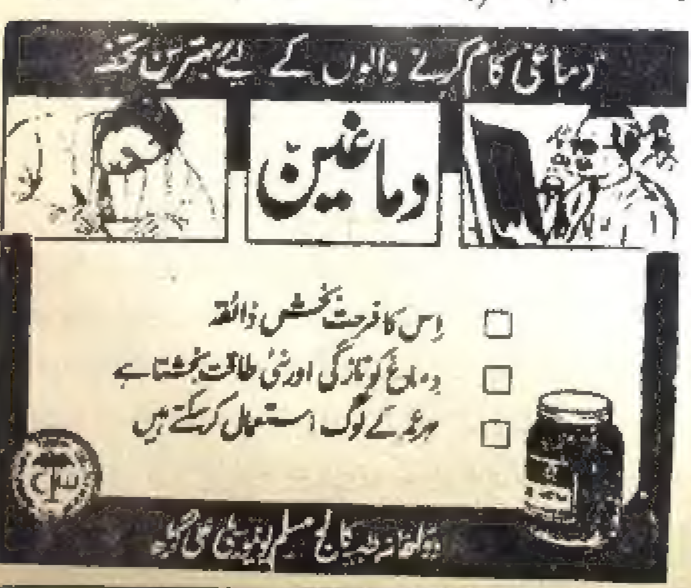
فراق صاحب ۲۶ سے ۲۹ر مارچ تک جموں میں رہے۔ ۲۶ر مارچ کو ریڈیو کشمیر جموں کے صحن میں اور ۲۷ر مارچ کو صنعتی نمائش کے پنڈال میں مشاعرے ہوئے جن میں فراق، تاباں، آزاد، نریش کمار شاد، نازش پرتاب گڑھی، جوش ملسیانی، کرپال سنگھ بیدار، ڈاکٹر منوہر سہائے انور، امیر چند قیس جالندھری، کمال احمد صدیقی، کیلاش ماہر، کرشن موہن، شاہجہاں بانو یاد، اور دوسرے شعراء نے اپنا کلام سنایا۔ ۲۸ر مارچ کی سہ پہر کو فراق صاحب نے ہندی کویوں کی محفل میں شرکت کی اور اردو ہندی کے مسئلے پر بات چیت کی۔ بعد میں آپ یونیورسٹی تشریف لائے اور آج کے معاشرے میں شاعری کی افادیت پر تقریر کی جس میں ادب اور سائنس کی آویزش پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا کہ سائنس دانوں کو ادب کا اور ادیبوں کو سائنس کا بھی کچھ نہ کچھ مطالعہ کرنا چاہئے۔ خطبے کے بعد دیر تک سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہا اور پھر فراق صاحب نے سامعین کو اپنے کلام سے نوازا۔ یونیورسٹی میں تقریر کے بعد آپ گلاب بھون تشریف لے گئے جہاں غالب کمیٹی اور کلچرل اکیڈمی کے تعاون سے بزم غالب کے نام سے ایک اجتماع کیا گیا۔ جلسے کی صدارت جموں غالب کمیٹی کے صدر ڈاکٹر گیان چند نے کی۔ اس تقریب میں فراق صاحب اور نریش کمار شاد خصوصی مہمان تھے۔ فراق صاحب نے ایک مختصر تقریر کی اور اپنا کلام سنایا۔ شاد نے غالب کی زمینوں میں اپنی طبع آزمائیوں کو پیش کیا۔ ۲۹ر مارچ کو سماج وادی بھون میں فراق صاحب ڈوگری ادیبوں سے ملے۔ اس جلسے میں پہلے فراق صاحب نے زبان کے مسئلے پر تقریر کی اور اس کے بعد فراق صاحب اور کچھ ڈوگری شعراء نے اپنا کلام سنایا۔ (نامہ نگار)

گوہاٹی یونیورسٹی میں غالب صدی کی تقریبات

گوہاٹی۔ غالب کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے گوہاٹی یونیورسٹی میں شعبۂ انگریزی کے زیر اہتمام ایک جلسے کا انعقاد ۱۱ر مارچ ۱۹۶۹ء کو کیا گیا۔ جلسہ کی صدارت ڈاکٹر امریش دتہ پروفیسر اور صدر شعبۂ انگریزی نے کی۔ سامعین میں مختلف شعبوں کے پروفیسر اور پوسٹ گریجویٹ طلبہ وغیرہ شامل تھے۔ جلسہ کا آغاز غالب کی غزل ؎

نکتہ چیں ہے غم دل اس کو سنائے نہ بنے
کیا بات جہاں بات بنائے نہ بنے

سے ہوا جس کو ایم۔اے انگریزی کی طالبہ مس فاطمہ بیگم نے نہایت خوش گلوئی سے پیش کیا اور بعد کو غزل مذکور کے انگریزی ترجمے سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔ ڈاکٹر تارا چند چرن رستوگی پرنسپل سوالکچی کالج سوالکچی (آسام) نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کرتے ہوئے انگریزی میں تقریر کی۔ جس کے خاص خاص نکات مندرجہ ذیل ہیں۔ (۱) غالب کی عظمت کا دارومدار اس کی شاعری کی سماجی مناسبت (SOCIAL RELEVANCE) پر ہے۔ زوال آمادہ سماج کی شکست وریخت کی رقت انگیز لفظی تصویریں اس کی شاعری میں دیکھی جا سکتی ہیں کیونکہ اس کا انداز بیان اور لب ولہجہ آج کا ہے لہٰذا اسے دور جدید کا سب سے پہلا شاعر کہا جا سکتا ہے۔ (۲) آلام ومصائب اس کی ذہنیت



کو نرسیت خوردہ بنا سکے۔ درد کی کسک اس کی شاعری میں مسکراہٹ کی ضیائیں بدل کر ظہور پذیر ہوتی ہے جس سے اس کی شاعری توانا اور حسِ ظرافت (SENSE OF H) سے معلوم ہونے لگتی ہے۔ (۳) غم دل سے غم دوراں کی منزل پر رواں دواں فکر و شعور میں بڑی جان ہے اور اس کے شعر کو سن کر ہر کوئی یہ کہنے پر آمادہ ہو جاتا ہے کہ

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

(۴) کیونکہ غالب کی شاعری میں فکری نظام کا فقدان ہے لہٰذا اسے فلسفی شاعر نہیں کہا جا سکتا۔ تصوف کی وساطت سے دل و دماغ میں رچے بسے فلسفیانہ و نیم فلسفیانہ نکات کو غالب نے کہیں کہیں اس انداز سے صوتیت (ARTICULATION) دی ہے کہ شعر میں فنکاری قابل داد و تحسین ہو جاتی ہے۔ (۵) اپنے ہم عصر شیلے کی طرح غالب بھی شاعر کفر ہے وہ دوزخ میں جنت کو پھینک دینے پر کمربند ہے۔ وہ خضر پر انگشت نمائی کرتا ہے کہ وہ عمر جاوداں کے لئے چور بنے پھرتے ہیں۔ (۶) غالب اس خاندان کا فرد تھا جس کی جملہ وفاداریاں تلوار پر مرکوز تھیں، کوئی مرہٹوں کی کمان میں تھا تو کوئی انگریزوں کے یہاں رسالہ دار۔ علاوہ بریں وفاداری کے تبدل سے بھی انھیں گریز نہ تھی۔ غالب پر خاندانی ماحول کا اثر یہ ہوا کہ اس کے یہاں وطن دوستی نظر نہیں آتی مگر بشر دوستی اس کی شاعری کی بہترین خصوصیت ہے۔ (۷) شعرائے مابعد پر غالب کا اثر شعوری اور لاشعوری طور پر ہوا ہے مثال کے طور پر اقبال شاگرد تو داغ کے تھے لیکن اقبال پر غالب کا اثر نمایاں ہے۔ تقریر خاصی طویل مگر نہایت دلچسپ تھی۔ مثالیں غالب کے فارسی و اردو کلام سے مع تراجم دی گئیں۔ جناب صدر نے مہمانِ خصوصی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے غالب کو خراج عقیدت پیش کیا اور کہا کہ غالب کو بلا خوف تردید FATHER OF MODERN URDU PROSE AND POETRY یعنی موجودہ اردو نثر اور شاعری کا موجد کہا جا سکتا ہے۔

(نامہ نگار)

انجمن ترقی اردو احمد آباد کے فیصلے

احمد آباد۔ انجمن ترقی اردو احمد آباد کی مجلس عاملہ کی ایک میٹنگ ۳۰ مارچ بروز اتوار پروفیسر وارث حسین علوی کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں جشن غالب کے اخراجات کو منظور کیا گیا۔ اور فیصلہ کیا گیا کہ احمد آباد کے ایسے ثانوی مدارس جہاں طلبہ گجراتی زبان سیکھتے ہیں اور ذریعہ تعلیم بھی گجراتی ہے وہاں ایسے طلبہ کے لئے انجمن ترقی اردو کی جانب سے اردو کی کلاسیس چلائی جائیں۔ یہ تجربہ سب سے پہلے انجمن اسلام ہائی اسکول۔ ۲۔ انجمن اسلام انگلش اسکول۔ ۳۔ سی ایل ہائی اسکول۔ ۴۔ ری پبلک ہائی اسکول۔ ۵۔ اور نیشنل ہائی اسکول اور حمیدیہ ہائی اسکول میں جولائی ۱۹۶۹ء سے کیا جائے گا۔ ان اسکولوں سے رابطہ پیدا کرنے اور ضروری اقدامات کے لئے مولانا فخر الدین ندوی۔ ۲۔ ابوالحسن شیخ ایم اے اور رسول احمد شیخ پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی ہے جو جلد ہی اپنی رپورٹ انجمن کو پیش کرے گی۔ اسی میٹنگ میں اس بات پر بھی زور دیا گیا کہ انجمن ترقی اردو احمد آباد کا ایک وفد وزیر تعلیم گجرات سے ملے اور اس بات کا مطالبہ کرے کہ ہر سال گجراتی ادیبوں کے ساتھ ساتھ اردو کے مستحق ادیبوں کی کتابوں کو بھی انعام دیا جائے۔ اس سلسلے میں مزید معلومات حاصل کرنے اور انتظام کرنے کی ذمہ داری پروفیسر وارث حسین علوی نے لی ہے۔

(رسول احمد شیخ سکریٹری)

اردو سہ لسانی فارمولے میں شامل ہے

لکھنؤ۔ وزیر اعلیٰ جناب چندر بھان گپتا نے یہاں اخبار نویسوں کو بتایا کہ اتر پردیش میں اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کا کوئی سوال نہیں ہے لیکن ہم نے سہ لسانی فارمولے کو تسلیم کر لیا ہے جس کے تحت ہندی، انگریزی اور ایک تیسری زبان جس میں اردو بھی شامل ہے پڑھی جا سکتی ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے یوپی کے وزیر تعلیم کے ایک بیان سے پیدا ہونے والی غلط فہمی کو رفع کیا جس میں کہا گیا تھا کہ ریاست میں جنوبی ہند کی زبان کی تعلیم لازمی قرار دے دی گئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ریاستی حکومت کی پالیسی اردو کے سلسلے میں بہت واضح ہے اردو ریاست کی دوسری سرکاری زبان نہیں بنائی جا سکتی۔ لیکن اسے پھلنے پھولنے کی تمام ضروری سہولتیں حاصل رہیں گی۔ ان سے کہا گیا کہ یوپی کے وزیر تعلیم کا ایک بیان دلی کے اخبارات میں شائع ہوا ہے جس میں انھوں نے کہا ہے کہ جنوبی ہند کی ایک زبان یوپی میں لازمی قرار دی جائے گی۔ جناب گپتا نے کہا اس معاملہ میں کچھ غلط فہمی ہے۔ سہ لسانی فارمولے کے تحت شیڈول ۸ میں درج تمام زبانوں میں سے ایک زبان کوئی بھی طالب علم تیسری زبان کی حیثیت سے لے سکتا ہے چونکہ اردو اس ریاست میں زیادہ بولی اور سمجھی جاتی ہے اس لئے لازمی طور پر طلبہ کی زیادہ تعداد اسے پڑھے گی جہاں تک دوسری زبانوں کا تعلق ہے اگر اساتذہ مل سکے تو ان کی پڑھائی کا بھی انتظام کیا جائے گا۔

(قومی آواز)

اردو پڑھنے والے بچوں کو ان کے حق سے محروم کیا جا رہا ہے

دلی۔ ۲۰۰ سے زیادہ اردو شاعروں، مصنفوں اور استادوں نے حزب اختلاف سے تعلق رکھنے والی پارٹیوں اور خاص کر جناب پی گوپالن ممبر پارلیمنٹ کا اس بات کے لئے شکریہ ادا کیا ہے کہ انھوں نے یوپی اسمبلی کے بعض ممبروں کے

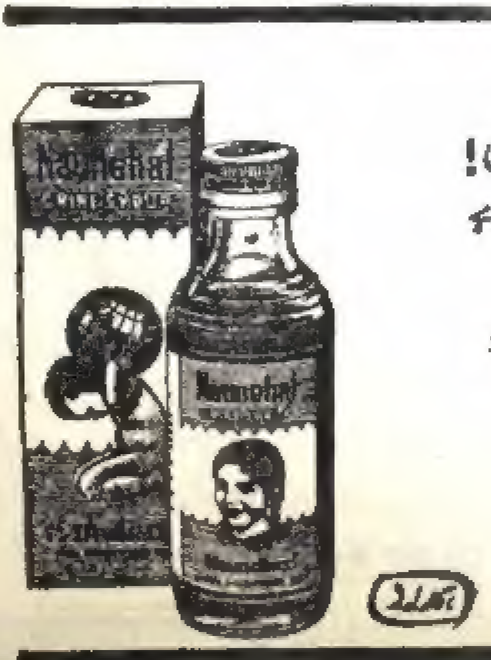
اس مطالبہ کی حمایت میں ایک قرارداد پیش کی کہ انھیں اپنی مادری زبان میں جو کہ اردو ہے حلف لینے کی اجازت ہونی چاہئے۔ بیان میں اس بات کی توقع ظاہر کی گئی ہے کہ ممبران پورے ملک میں اردو بولنے والوں کے مطالبات کی بدستور حمایت کرتے رہیں گے۔ ان کا مطالبہ ہے کہ ہر سطح پر اردو کی تعلیم کی سہولتیں مہیا کی جائیں اور نظم ونسق میں اردو کو اس کی مناسب جگہ دی جائے۔ مزید کہا کہ ہم حزب اختلاف کے لیڈروں کی توجہ وزیر مملکت برائے امور داخلہ جناب وی. سی. شکلا کے بیان کی طرف دلاتے ہیں جس میں انھوں نے کہا ہے کہ حکومت ہند نے لسانی اقلیتوں سے متعلق کمیشن کی رپورٹ میں کی گئی سفارشات کو عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ ان سفارشات پر ابھی تک عمل نہیں کیا گیا ہے اور نظم ونسق میں اردو کو بدستور نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ اردو بولنے والے ہندوستانیوں کے بچوں کو ان کے اس حق سے محروم کیا جا رہا ہے جبکہ انھیں اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کا حق ہے۔ آگے چل کر کہا گیا کہ ہم اپنے ملک کے باشندوں کے جمہوری ضمیر سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس بے انصافی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور تمام جمہوریت پسندوں کو اردو بولنے والے ہندوستانیوں کے جائز مطالبات کی حمایت کرنے کے لئے مجبور کریں۔ (الجمعیۃ)

یوپی اور بہار میں اردو تعلیم کی مناسب سہولتیں نہیں

دہلی: کانگریس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں اقلیتوں اور اردو کے سوالات پر مرکزی وزیر جناب فخر الدین علی احمد اور وزیر اعلیٰ یوپی جناب گپتا اور ڈاکٹر رام سبھاگ سنگھ کے درمیان جو جھڑپ ہوئی اس کی تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب گپتا اور ڈاکٹر رام سبھاگ سنگھ، جناب فخر الدین علی احمد کی شکایات کا کوئی اطمینان بخش جواب نہ دے سکے اور جناب فخر الدین علی احمد ان کی شکایات کو دور کرنے پر اصرار کرتے رہے۔ دوسرے ممبران کے علاوہ جناب فخر الدین علی احمد نے بھی اقلیتوں کا اور اردو کا سوال اٹھایا۔ بحث کے دوران یہ عام تاثر تھا کہ اقلیتوں کے ساتھ بہتر سلوک ہونا چاہئے کہا جاتا ہے کہ اس امر پر عام اتفاق رائے پایا گیا کہ اقلیتیں اقوام وقبائل مندرجہ فہرست کے ساتھ اقتصادی و سیاسی حلقوں میں بہتر سلوک کی ہر ممکن کوشش ہونی چاہئے۔ جناب احمد نے زوردار طریقے پر شکایت کی کہ بہار اور یوپی میں اردو پڑھنے کی کافی سہولتیں نہیں ہیں۔

آگرہ یونی ورسٹی جامعہ اردو علی گڑھ کے امتحانات کو تسلیم کرے

آگرہ ۱۰۔ ۱۰ر اپریل۔ آگرہ یونی ورسٹی کے سینٹ ہال میں غالب کی صد سالہ یادگار کا سہ روزہ پروگرام تین بجے دن میں یہاں شروع ہوا۔ پروگرام یونی ورسٹی کی غالب صد سالہ یادگار کمیٹی کے زیر اہتمام ہو رہا ہے۔ غالب کی شبیہ کی نقاب کشائی آگرہ یونی ورسٹی کے وائس چانسلر جناب ششی پرشاد نے کی۔ پنڈت کنزرو نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ غالب اور آگرہ کا رشتہ بہت مضبوط اور پرانا ہے۔ موصوف نے آگرہ یونی ورسٹی کے ارباب اقتدار سے مطالبہ کیا کہ غالب کی صد سالہ یادگار کے موقع پر جامعہ اردو علی گڑھ کے امتحانات کو تسلیم کرکے اردو کی ترقی وبقا میں تعاون کیا جائے۔ انھوں نے یہ تجویز بھی رکھی کہ غالب کے آبائی مکان کو اپنا کر اس عظیم شاعر سے متعلق تحقیق کا ایک شعبہ قائم کیا جائے۔ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے ارباب اقتدار سے آگرہ یونیورسٹی میں اردو کی اعلیٰ تعلیم کے انتظام کی سفارش کی اور غالب پر تحقیقی شعبہ


میٹھی نیند کے مزے لیتے ہوئے
ننھے منّے بچے کتنے پیارے لگتے ہیں!
قدرتی اور بھرپور نیند اُن کے لیے اچھی صحت کی علامت ہے
اور ماں باپ کے لیے سکھ کا سانس!
انھیں ہمیشہ نونہال گرائپ سیرپ دیجیے
خاص کر پیٹ کی خرابی اور دانت نکلنے کے دنوں میں۔
نونہال گرائپ سیرپ
بچوں کی ہضم کی شکایتوں، عام بے چینی اور دانت نکلتے وقت کی تکلیفوں کا مشہور علاج ہے۔

قائم کرنے کا مطالبہ کیا۔ آگرہ یونی ورسٹی کے رجسٹرار جناب مدن گوپال گپتا نے مہمانوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے وعدہ کیا کہ یونی ورسٹی پنڈت برج ناتھ کنزرو اور ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی کی تجاویز پر ہمدردی سے غور کرے گی اور کوشش کرے گی کہ اردو کی ترقی وبقا اور فروغ کے لئے ہر ممکن تعاون پیش کرے۔ (سیاست)

بوسٹن میں غالب کو خراج عقیدت

بوسٹن ۔ ایشیائی اسٹڈیز کی انجمن کی ۲۰ ویں سالانہ میٹنگ میں یہاں مرزا غالب کو ایک انسان اور اردو شاعر کی حیثیت سے خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ علما اور شعر و شاعری سے دلچسپی رکھنے والے ایک سو اشخاص کے مجمع میں غالب پر بحث مباحثہ ہوا۔ صدارت کے فرائض ہارورڈ یونی ورسٹی کی ڈاکٹر شمل نے انجام دئے۔ انھوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ غالب کے کلام میں انسانی ہمدردی اور رنج و غم کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ اس تقریب میں بوسٹن یونی ورسٹی کے ڈاکٹر رہبر، نیویارک کی سٹی یونی ورسٹی کے اعجاز احمد اور دہلی یونی ورسٹی حال وسکونسن یونی ورسٹی کے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے مذاکرے میں حصہ لیا۔ ڈاکٹر رہبر نے غالب کے خطوط کے آئینے میں ان کی زندگی پر روشنی ڈالی۔ ان خطوط میں سادگی، روانی اور بے ساختہ پن پایا جاتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ غالب کے مطالعہ میں ان کے وقت کے سماج کو بھی نظر میں رکھا جانا چاہئے۔ ڈاکٹر رہبر غالب کے خطوط کا انگریزی میں ترجمہ کر رہے ہیں۔ ان میں سے پہلی جلد تیار ہو گئی ہے نورڈھم یونی ورسٹی کے بین سلم کالج کے جناب احمد نے غالب کے کلام کے ترجمے کے سلسلے میں مقالہ پڑھا۔ وہ سات امریکی شاعروں کے ساتھ مل کر غالب کے کلام کا انگریزی میں ترجمہ کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ غالب کے کلام میں آئینہ بندی پائی جاتی ہے اور بہت خوبصورت تصورات پیش کئے گئے ہیں۔ ڈاکٹر نارنگ نے کہا کہ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف بغاوت کا غالب کے دل پر گہرا اثر چھوڑا تھا۔ ان کی پنشن ضبط ہو گئی تھی اور انھیں اپنا بستر اور کپڑے تک بیچنے پڑے تھے ان کے احساسات کو سمجھنے کے لئے ان کے خطوط کا مطالعہ ضروری ہے۔ آخر میں صدر صاحبہ ڈاکٹر شمل نے کہا کہ انھیں اس پروگرام سے بڑی مسرت ہوئی ہے اور غالب کے بارے میں تمام اصحاب نے عالمانہ رنگ میں اپنے اپنے خیالات پیش کئے۔

اردو اور ہندی کسی فرقہ کی زبانیں نہیں ہیں

لکھنؤ۔ ہندی زبان کو قومی زبان بننے کا جو افتخار حاصل ہوا ہے اس میں بلا امتیاز مذہب و ملت ہر ہندوستانی کا ہاتھ ہے۔ چاہے وہ ہندو ہو یا مسلمان، سکھ ہو یا عیسائی یہ الفاظ وزیر اعلیٰ جناب سی۔ بی۔ گپتا نے یہاں شام سرو جنی نائیڈو پارک (متصل حضرت گنج) میں "ہندی بھون" کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے اپنی تقریر میں کہے۔ "ہندی بھون" جسے وزیر اعلیٰ کے اعلان کے مطابق آج سے بعد سے "پرشوتم ہندی بھون" کہا جائے گا پانچ منزلہ عمارت ہوگی جو تقریباً اٹھائیس ہزار مربع فٹ کو احاطے کئے ہوگی اور جس کی ابتدائی دو منزلیں سال سوا سال کے اندر تیار ہو جائیں گی۔ ہندی کے ساتھ ہم ان تمام زبانوں کی جن کو دستور ہند نے تسلیم کیا ہے چاہے وہ دکھنی زبانیں ہوں یا اردو ہو ترقی چاہتے ہیں۔ انھوں نے کہا جس طرح میں یہ نہیں مانتا کہ ہندی کسی ایک مذہب یا ایک فرقہ کی زبان ہے۔ اسی طرح میں اس کو بھی ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ اردو کسی ایک مذہب یا فرقے کی زبان ہے۔ جو لوگ اردو کو اقلیت کی زبان کہہ کر یاد کرتے ہیں میں ان سے اتفاق نہیں کر سکتا۔ اپنے طالب علمی کے زمانے کو یاد کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ اس وقت مغربی اضلاع میں ہمارے بزرگ اردو ہی سیکھتے میں پڑھتے تھے اور آج بھی بہت سے ہندو ہیں جو اردو کو سیکھتے اور پڑھتے ہیں۔ اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں ہے اردو اور دوسری علاقائی زبانوں کی ترقی کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا ہمارا فرض ہے کہ ہم یہاں کسی بھی زبان کے سیکھنے والے کے دل میں یہ اندیشہ پیدا نہ ہونے دیں کہ جو زبان وہ پڑھنا چاہتا ہے اس کی راہ میں روڑے اٹکائے جا رہے ہیں۔ وزیر اعلیٰ جناب سی۔ بی۔ گپتا نے دوران تقریر میں سہ لسانی فارمولے کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔ اس فارمولے کو پورے ملک میں تسلیم کیا گیا ہے اور تمام وزرائے اعلیٰ نے بھی اس سے اتفاق کیا ہے۔ اس فارمولے کی بنیاد پر انگریزی اور ہندی لازمی زبانیں ہیں اور ایک تیسری زبان کوئی بھی منتخب کی جا سکتی ہے اس طرح اردو پڑھنے کے خواہشمندوں کے لئے اردو کی پڑھائی کا پورا بندوبست کیا جاتا ہے۔ (قومی آواز)

اردو کو کوئی طاقت اس کے حق سے محروم نہیں کر سکتی

کلکتہ۔ اردو کا مستقبل عظیم ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اس کو اس کے اصل مقام سے زیادہ دنوں تک محروم نہیں رکھ سکتی مگر اردو کو ایک زندہ اور متحرک زبان کی طرح نئے عہد کے احساسات امنگوں اور حوصلوں کو اپنے اندر سمونا ہوگا اپنے مزاج میں لچک پیدا کرنی ہوگی اور ایسے سانچے میں ڈھلنا ہوگا جو ہر خاص و عام کے دلوں کو یکساں طور پر چھو سکے دل کی گہرائیوں میں اتر سکے۔ یہ ہیں وہ خیالات جن کا اظہار بنگلہ کے مایہ ناز شاعر ساہتیہ اکاڈمی کے انعام یافتہ پدم شری ناشری بوشید

نے رائٹرز کا ونسل کی جانب سے اپنے اعزاز میں دیئے گئے استقبالیہ میں کیا۔ انھوں نے کہا کہ اردو کا ارتقا فطری طور پر ہونا چاہیے انھوں نے کہا کہ ہو سکتا ہے آج مسلمانوں کی بڑی تعداد اردو بولتی اور لکھتی ہو مگر یہ زبان مختلف تہذیبوں کے اختلاط سے معرض وجود میں آئی ہے لہٰذا اس کی شادابی اور رعنائی ہمیشہ دلوں کو اسیر کئے رہے گی۔ انھوں نے امید ظاہر کی کہ رائٹرز کا ونسل مختلف زبانوں کے ادب کو قریب لانے میں تاریخی رول ادا کرے گا۔ ابتدا میں شمس الزماں نے مختصراً جناب حمزا کا تعارف کراتے ہوئے ان کے ادبی کارناموں پر روشنی ڈالی عبد اللہ ان عبد الاحد نے رائٹرز کا ونسل کے اغراض و مقاصد کی وضاحت کی۔ جناب سجاد ظفر نے ادب اور بحیثیت اردو کی مماثلت سے متعلق اہم سوالات اٹھائے۔ (سجاد ظفر)

دلی یونیورسٹی میں مشاعرہ

دلی:۔ دلی یونیورسٹی کے ایوننگ انسٹی ٹیوٹ کی اسٹوڈنٹس یونین کے زیر اہتمام ایک بزم مشاعرہ نیو کنونشن ہال میں منعقد ہوا جس کی صدارت اردو کے ممتاز شاعر اور علی گڑھ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے ریڈر جناب معین احسن جذبی نے فرمائی مشاعرہ میں دلی اور بیرون دلی کے شعراء نے اپنا کلام سنایا۔ (نامہ نگار)

انجمن ترقی اردو پٹیالہ کے زیر اہتمام مشاعرہ

پٹیالہ:۔ انجمن ہذا کے زیر اہتمام جشن غالب صدی کے سلسلے میں ایک مشاعرہ روڑی کلب پٹیالہ میں منعقد ہوا۔ جس میں مقامی اور بیرون جات سے آئے ہوئے شعرا حضرات نے غالب کی زمینوں میں اپنی غزلیں پڑھیں اور سامعین حضرات کو محظوظ فرمایا۔ مشاعرہ سے قبل پروفیسر ہنس راج گپتا صاحب نے غالب کی زندگی اور شخصیت سے متعلق ایک مختصر سی تقریر فرمائی۔ (رمیش پٹیالوی)

اردو رائٹرس ایسوسی ایشن کلکتہ کا جلسہ

کلکتہ:۔ اردو رائٹرس ایسوسی ایشن (کلکتہ) کی جانب سے ماسکو یونیورسٹی کے ریسرچ اسکالر مرزا خان مرزا یوف کو استقبالیہ دیا گیا جس کی صدارت پروفیسر عباس علی بیخود صاحب نے کی۔ پروفیسر جاوید نہال نے ریسرچ اسکالر جناب مرزا خان کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ مرزا صاحب تاشقند یونیورسٹی سے وابستہ ہیں، ماسکو یونیورسٹی نے انھیں ہندوستان کی آزادی کے بعد اردو صحافت پر تحقیقی کام کے لئے وظیفہ دیا ہے مرزا خان، دتی، علی گڑھ، کانپور اور عظیم آباد (پٹنہ) کا سفر کرتے ہوئے کلکتہ آئے ہیں۔ ان کے تحقیقی مقالے کی خاص بات یہ ہوگی کہ تقسیم ہند کے بعد بائیس برسوں کی اردو صحافت میں زبان اور طرز نگارش میں کیا تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ مرزا خان مرزا یوف نے روس میں اردو زبان کی مقبولیت اور وہاں اردو کے کام پر روشنی ڈالی۔ (ایم۔ اے۔ بشر جنرل سکریٹری)

دلی میں ایک ادبی نشست

دلی:۔ پریس کلب نئی دہلی میں محمود سعیدی کے دوسرے شعری مجموعہ 'سیہ بر سفید' کی رسم اجرا کے سلسلے میں ایک نشست منعقد ہوئی۔ اس نشست کی صدارت بلراج کومل نے کی۔ نشست میں گوپال متل، کرشن موہن، خلیق انجم، اور من موہن تلخ نے محمود سعیدی کی شاعری کے سلسلے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اور آخر میں صدر جلسہ بلراج کومل نے دلی کے تمام ادیبوں اور شاعروں کی جانب سے محمود سعیدی کو 'سیہ بر سفید' کی اشاعت پر مبارک باد پیش کی۔ (نامہ نگار)

ٹونک میں "یوم عتیق" کے موقع پر مشاعرہ

ٹونک میں "یوم عتیق" کے تقریبات کے سلسلہ میں گزشتہ ماہ ایک مشاعرہ منعقد ہوا۔ بسمل سعیدی نے مشاعرہ کی صدارت کی۔ جناب مرزا رفیع اللہ بیگ صاحب چیرمین میونسپل بورڈ ٹونک نے مشاعرہ کا افتتاح کیا۔ اس مشاعرہ میں مقامی و بیرونی شعراء نے اپنا کلام سنایا۔ (عبید الرحمٰن خاور)

کشن گنج میں شام غالب

کشن گنج:۔ یہاں انجمن ترقی اردو کشن گنج کے زیر اہتمام شام غالب منائی گئی۔ غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر بزم ادب ہال میں ایک جلسہ و شاندار مشاعرہ بھی ہوا۔ اس جشن غالب کی صدارت پروفیسر انتظار عالم صاحب نے کی غالب کی غزل سے پروگرام کا افتتاح ہوا۔ شمیم ربانی جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو نے رپورٹ پیش کی اور مرزا غالب کی شعری خدمات کو سراہا۔ ڈاکٹر سید حسن، عبد الخالق ایڈوکیٹ، شمیم ربانی، علی مغنی، اور پروفیسر انتظار عالم صاحب نے غالب کی شاعری و حیات پر روشنی ڈالی اس کے بعد غالب کی غزلیں پڑھی گئیں اور اسکول کے بچوں اور بچیوں نے بھی مرزا غالب کی منتخب غزلیں اور اشعار پڑھے اور خراج عقیدت پیش کیا پروفیسر راجندر پرساد نے اور پروفیسر کاشیشوری پرساد نے بھی غالب کو خراج عقیدت پیش کیا۔

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ پرنٹر و پبلشر سید ضیا دہلی نے ایجوکیشنل پرنٹرس علی گڑھ میں چھاپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا